لدعوۃ الحق

طریقۂ تقریر

(۲)

بچوں کی پریس کانفرنس

اور

بچوں کا سمینار

(علمی مذاکرہ)

از
مولانا سید محمد میاں صاحب
ناظم جمعیۃ علماء ہند

طریقہ تقریر

(۲)

بچوں کی پریس کانفرنس

اور

بچوں کا سیمنار

(علمی مذاکرہ)

یعنی

دینی کلب۔ دینی لائبریری علمی مذاکرہ کی مجلس وغیرہ کی ایک مثال جس کے ذریعہ طلبہ عزیز اور نونہالان ملت میں دینی ذوق پیدا کیا جاسکتا ہے اور ایسے قیمتی مضامین جن سے اسلامی بنیادی عقائد مدلل اور مفصل طور پر ذہن نشین ہو سکتے ہیں۔ جن کا مطالعہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

ناشر
ایم۔ برادرس۔ کتابستان
دہلی

ملنے کا پتہ
الجمعیۃ بکڈپو۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

(قیمت۔ چھ آنے)

(مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی مکتب - دار المطالعہ - دینی کلب اور قلمی اخبار و رسالے

شہر کی ہر ایک مسجد میں دینی تعلیم کا مکتب قائم ہے جہاں صرف پڑھا نہیں جاتا، بلکہ سدھایا بھی جاتا ہے۔ ہر مکتب کے ساتھ چھوٹا سا دار المطالعہ اور بچوں کا دینی کلب بھی ہے دار المطالعہ میں بچوں کے کام کے اخبار اور رسالے بھی آتے ہیں اور دار المطالعہ کی طرف سے ماہوار قلمی رسالے اور کسی دار المطالعہ کی طرف سے ہفتہ وار قلمی اخبار بھی شائع ہوتے ہیں ان اخباروں اور رسالوں کے مضمون بچے ہی بناتے ہیں اور وہی اپنے قلم سے صاف اور خوشخط لکھتے ہیں اور کئی کئی نقلیں کر کے دوسرے دار المطالعوں کے اخبارات سے تبادلہ کرتے ہیں۔ ماں باپ اور بچوں کے سرپرست اپنے بچوں کو بڑی تاکید سے ان مکتبوں میں بھیجتے ہیں تاکہ بچے بُری صحبتوں میں نہ پڑیں اور اپنا قیمتی وقت بے کار کھیل کود گلیوں کوچوں میں گھومنے اور نگے شرارت میں ضائع نہ کریں۔ سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچے بھی چھٹی ملنے پر گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر یہیں آجاتے ہیں۔ ان مکتبوں کی یہ خصوصیت بہت ہی زیادہ قابل قدر اور قابل تعریف ہے کہ تعلیم و تربیت کا طریقہ ایسا دلچسپ ہوتا ہے کہ زور زبردستی نہیں بلکہ خود اپنے شوق سے بچے یہاں آنے لگتے ہیں اور صرف تعلیم و تربیت کی جگہ ہی نہیں بلکہ اس کو تفریح کی جگہ بھی سمجھنے لگتے ہیں۔

ہر ایک بچہ اپنی کلب کا ممبر بھی ہوتا ہے۔ جہاں سلیقہ کے کھیل کود کا انتظام بھی

ہوتا ہے اور ماہانہ چندہ کے فنڈ سے بہت سے تعلیمی اور تفریحی پروگرام بھی چلتے رہتے ہیں ۔
مسجد کے امام صاحب صرف امامت ہی نہیں کرتے یہ تمام کام انہیں کی نگرانی میں ہوتے ہیں
محلہ کے تمام چھوٹے بڑے اُن کی بہت عزت کرتے ہیں کیونکہ وہ صرف امام یا معلم ہی نہیں
بلکہ اتالیق بھی ہیں ۔ بہت سے بچے اُن کی اتالیقی سے فیض پاکر شائستہ اور مہذب جوان صالح
بن چکے ہیں جو اُن کو اپنا بزرگ مانتے ہیں ۔ امام صاحب قرآن شریف اور حدیث شریف کی
کتابوں کا ترجمہ بھی نماز کے بعد تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں جس سے عام نمازیوں کو فائدہ
پہونچتا ہے اور وہ امام صاحب کو صحیح معنیٰ میں پیشوا سمجھنے لگتے ہیں ۔

پریس کانفرنس کی بنیاد یہی ہفتہ وار اخبار اور ماہوار رسالے جو ان مکتبوں کے
دار المطالعوں سے نکلتے ہیں ایک دفعہ ان میں یہ بحث چلی
کہ نبوت و رسالت کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے کس وصف کا ظہور ہے ۔ ہر ایک اخبار اور
رسالے کے مضمون نگاروں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق مضمون لکھے ۔ عرصہ تک یہ بحث
چلتی رہی آخر کار ایک مکتب کے دینی کلب کے ممبروں نے طے کیا کہ بچّوں کی ایک پریس کانفرنس
کی جائے ۔ جتنے بھی اخبار یا رسالے نکلتے ہیں اُن کے نمائندوں کو بلایا جائے اور ان سوالوں
کے متعلق ایک مقالہ لکھ کر اُن کے سامنے پیش کیا جائے پھر یہ نمائندے اگر کوئی بات دریافت
کریں تو اس کا جواب دیا جائے ۔

چنانچہ ایک تاریخ مقرر کی گئی ۔ شہر کے تمام مکتبوں کے معلم صاحبان اور دار المطالعہ
کے ممبروں اور اخبارات کے ذمہ دار ارکان خصوصاً ایڈیٹر صاحبان کو پریس کانفرنس میں
شرکت کی دعوت دی گئی ۔ اس کانفرنس کے بلانے والوں نے مشورہ کر کے ایک مقالہ
مرتب کیا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے کر دیا کہ فلاں صاحب یہ مقالہ پڑھیں گے اور

اگر چھپ سکا تو پڑھنے کے بجائے چھپوا کر تقسیم کر دیں گے اور فلاں فلاں صاحب سوالات کے جواب دیں گے۔ جواب دینے والوں کو ہدایت کر دی گئی کہ بیچ میں لقمہ ہرگز نہ دیں بلکہ جو بھی جواب دینا شروع کرے اس کو بات پوری کرنے دیں۔ پھر اگر ضرورت ہو تو کوئی دوسرے صاحب بھی بولیں ورنہ خاموشی کے ساتھ گفتگو سنتے رہیں۔ شور شغب بالکل نہ ہو نہ مجلسی آداب کے خلاف کوئی بات ہو۔ گفتگو بہت سنجیدہ۔ سلیقہ کی ہو اور جواب عامیانہ نہیں بلکہ عالمانہ ہو۔

مقالہ

آج پوریں کانفرنس کی تاریخ ہے۔ دینی کلب کے تمام ممبر انتظام میں سرگرم ہیں۔ مسجد سے باہر صحن کا دالان سجایا گیا ہے۔ یہاں کانفرنس ہوگی۔ کلب کے فنڈ سے کچھ چارپائی کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ جس وقت کا اعلان کیا گیا ہے۔ ابھی اس میں چند منٹ باقی ہیں مگر جن کو بلایا گیا تھا وہ تقریباً سب آچکے ہیں۔ تمام دالان کھچا کھچ بھر گیا ہے۔ جیسے ہی پانچ کا گھنٹہ بجا۔ کانفرنس کی کارروائی شروع ہو گئی۔ اوّل ایک قاری صاحب نے چند آیتیں تلاوت کیں پھر کلب کے صدر کھڑے ہوئے اور ذیل کا مقالہ پیش کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

اَلحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد

حاضرین محترم ۔ اس وقت دو سوال ہمارے سامنے ہیں اور اُنھیں پر رائے ظاہر کرنی ہے ۔

پہلا سوال ۔ نبوت و رسالت کیا ہے ۔

دوسرا سوال ۔ یہ اللہ تعالےٰ کی کس صفت کا تقاضا ہے ۔

پہلے سوال کا جواب ہمارے نصاب کی کتابوں میں آچکا ہے یعنی پیغام پہونچانے کا وہ سلسلہ جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے معصوم اور پاکیزہ بندوں کے ذریعہ انسانوں کی رہنمائی کے لئے قائم ہوا ۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ختم ہوگیا' مذہبی اصطلاح میں نبوت کہلاتا ہے ۔ اسی کو رسالت بھی کہا جاتا ہے ۔ یہ لفظ اگرچہ دو ہیں مگر ان کے مطلب میں فرق

بہت کم[1] ہے۔

بیشک دوسرا سوال حل طلب ہے۔ سوال کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں۔ مثلاً وہ "خالق[2]" و "رزاق[3]" بھی ہے۔ "محی[4]" و "ممیت[5]" بھی۔ وہ غفار[6] و ستار بھی ہے۔ جبار[7] و قہار[8] بھی وہ منتقم[9] بھی ہے اور عفو[9] و غفور بھی۔ پروردگاری اور رحم و کرم بھی اُسی کی صفات ہیں۔ عدل و انصاف۔ جزا اور سزا اور صفت انتقام[10] کا بھی وہ مالک ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ سلسلہ رسالت و نبوت اللہ تعالیٰ کی کس صفت کا ظہور ہے۔ آیا قہر و غضب اور انتقام کا یہ تقاضا ہے کہ رسالت و نبوت کا سلسلہ قائم ہو[11]۔ یا اُس کے رحم و کرم اور پروردگاری کا یہ تقاضا

---

[1] یعنی رسالت کا درجہ نبوت سے بڑھا ہوا مانا جاتا ہے۔ جیسے دنیاوی اصطلاح میں سفارت کا درجہ بلند مانا جاتا ہے اور قونصل کا مرتبہ سفیر سے کم ہوتا ہے۔

[2] خالق۔ پیدا کرنے والا [3] رزاق۔ رزق دینے والا [4] مُحی۔ زندہ کرنے والا۔ [5] مُمیت مارنے والا۔ [6] غفار۔ مغفرت کرنے والا، گناہوں کو بخشنے والا [7] جبار بہت توڑنے والا اور ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنے والا۔ [8] قہار۔ قہر ڈالنے والا [9] منتقم بدلہ لینے والا [9] عفو۔ بہت معاف کرنے والا۔ غفور۔ بہت مغفرت کرنے والا [10] انتقام بدلہ لینا [11] اگر رسالت و نبوت کا تعلق صفت قہر و غضب سے ہوتا تو نتیجہ میں نوع انسان کے لئے قہر و غضب اور تباہی و بربادی کا ظہور ہونا چاہئے تھا مگر نبی کی آمد سے قہر و غضب کا راستہ کھلتا نہیں بلکہ بند ہوتا ہے۔ لہذا نبوت و رسالت صفت قہر و غضب کا ظہور نہیں ہے بلکہ صفت رحمت کا تقاضا ہے۔

تھا۔ جس کو اُس نے اپنے لطف و کرم سے پورا فرمایا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ یہ تقاضا ہے اُس کی پروردگاری اور اُس کے رحم و کرم اور لطف و احسان کا اور اُس کی اُن بے شمار مہربانیوں کا جو ہر وقت اور ہر دم ساری مخلوق پر چھائی ہوئی ہیں۔

محترم بزرگو! اللہ تعالےٰ کی ہر صفت کامل و مکمّل ہے۔ اس کی کوئی صفت ادھوری یا ناقص نہیں۔ اُس کی صفت پروردگاری ادھوری رہ جاتی اگر وہ اپنے فضل و کرم سے سلسلہ نبوّت و رسالت قائم نہ فرماتا۔ اُس کی رحمت اور اُس کا انعام و احسان مکمّل نہ ہوتا اگر وہ اپنے خاص خاص بندوں کو بھیجکر بھٹکے ہوئے آدمیوں اور بچھڑے ہوئے انسانوں کے سامنے "سیدھا راستہ" نہ کھول دیتا۔ اگر وضاحت اور تشریح میں چند منٹ صرف کرنے کی اجازت ہو تو میں عرض کروں۔ کہ انسان صرف گوشت پوست کا نام نہیں، یہ گوشت و پوست اور یہ شکل و صورت جو ہمارے سامنے ہے صرف ایک "قالب" ہے۔ انسان کا جوہر درحقیقت وہ "روحانی کرن"[1] ہے جو دل کے چراغوں میں روشن ہوتی ہے اور عقل و حواس کے روشن دانوں کو جگمگا دیتی ہے۔

---

[1] الروح فی الحقیقۃ: حقیقۃ نورانیۃ ونقطۃ نورانیۃ - حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقت الروح۔

اسی روشنی سے انسان اچھے اور برے کی تمیز کرتا ہے۔ اور یہی نور اس کو فرشتوں سے ملاتا اور خدا تک پہونچاتا ہے۔

یہ روحانی کرن اگر روشن رہے تو انسان فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر بجھ جائے تو جانوروں سے بھی نیچے گرجاتا ہے۔ یہ روحانیت اگر زندہ ہے تو دنیا میں اچھی[1] اور پاکیزہ زندگی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔

اگر یہ روحانیت زندہ ہے تو خواہ تاج شاہی سر پر ہو اور دولت کے انبار اُس کے خزانوں میں ہوں مگر اُس کا دل سکون[2] و اطمینان سے محروم اور آخرت میں ہلاکت و بربادی اس کا حصہ ہوتا ہے۔ اور جس طرح وہ دنیا میں خدا کی معرفت سے محروم رہا آخرت میں بھی دیدار الٰہی سے محروم رہے گا۔[3]

---

[1] اچھی اور پاکیزہ زندگی دولت و ثروت یا حکومت و بادشاہت سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ دولت و حکومت والے ہزاروں پریشانیوں میں ہر وقت مبتلا رہتے ہیں۔ اچھی زندگی یہ ہے کہ سکون و اطمینان میسر ہو۔ یہ صرف اللہ والوں کا حصہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ وقال اللہ تعالیٰ من عمل صالحًا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیٰوۃً طیبۃً الآیہ

[2] من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکاً۔

[3] من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ واضل سبیلاً۔

محترم بزرگو! یہ جسم فانی ہے اور یہ زندگی چند روزہ ہے۔ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ کامیابی اور ناکامی روحانیت کی خوبی اور خرابی پر موقوف ہے۔ اب غور فرمایئے اللہ تعالےٰ جو صرف عالم جسم کا رب نہیں بلکہ تمام عالموں کا رب اور پروردگار ہے۔ کیا اُس کی پروردگاری کا یہ تقاضا نہیں کہ جس طرح اُس نے اس زندگی کی تمام راہیں کھول دی ہیں اور بڑھنے اور ترقی کرنے کے راستے بتا دیے ہیں اسی طرح وہ آخرت کی حقیقی راہیں ہم پر کھولے اور ہمیں وہ راستے بتائے جن سے ہماری ابدی زندگی پُرسکون اور کامیاب ہو

اس زندگی کے کاروبار کے لئے جس نے ہمیں صرف چراغ یا تاروں کی ٹمٹماتی روشنی نہیں بلکہ نور کا پورا کرہ یعنی آفتاب عالمتاب عطا فرما دیا ہو۔

کیا اُس کی رحمت و پروردگاری کا یہ تقاضا نہیں کہ آخرت کی زندگی اور اُس کے کاروبار کے لئے بھی ہمیں روحانی چاند تارے اور روحانی آفتاب عطا فرمائے۔

وہ رب العالمین جس کی پروردگاری کا یہ عالم ہے کہ ایک ایک ذرہ کو سیرابی بخشتا ہے اور ایک ایک چیونٹی کے لئے اس کا دسترخوان کرم پھیلا ہوا ہے۔ کس طرح ممکن ہے کہ انسان کی روحانی سعادت

کے لئے اُس کے پاس کوئی جود و عطا اور کوئی بخشش نہ ہو اور اُس نے ہماری روحانی فلاح و سعادت کے لئے کوئی قانون، کوئی نظام اور کوئی قاعدہ نہ بنایا ہو۔ وہ ارحم الراحمین جس کا دریا، رحمت ایک ایک پتے کو تازگی - ایک ایک پنکھڑی کو خوش نمائی - ایک ایک پودے کو سرسبزی - اور نہ صرف گُل بلکہ کانٹوں کو بھی شادابی بخش رہا ہے۔ کس طرح برداشت کر سکتا ہے کہ روحانیت کے باغ و بہار کے لئے اُس کے پاس کوئی سیرابی اور شادابی نہ ہو۔

کیا ارحم الراحمین کی وہ رحمت جو کائنات کی ہر ایک ہستی پر چھائی ہوئی ہے، برداشت کر سکتی ہے کہ انسان گمراہی کی خشک وادیوں میں بھٹکتا ہوا ختم ہو جائے اور اُس کا دریا، فیض سرچشمہ ہدایت بننے کے بجائے سراسر سراب[1] بنا رہے۔

حاضرین محترم - جب زمین شادابی سے محروم ہو کر خشک ہو جاتی ہے تو رب العالمین و ارحم الراحمین کا قانون ہے کہ باران رحمت نازل ہوتی ہے اور زندگی کی برکتوں سے زمین کے ایک ایک ذرہ کو مالا مال کر دیتی ہے - تو کیا یہ ضروری نہیں کہ جب عالم انسانیت

---

[1] سراب - دریا کے کنارے پر سفید ریگ - اور یا جو بالکل خشک ہوتا ہے مگر دور سے دریا کا پانی معلوم ہوتا ہے -

ہدایت و سعادت کی شادابی سے محروم ہو تو اُس کی بارانِ رحمت نمودار ہو کر ایک ایک روح کو پیغام زندگی پہونچائے۔

بیشک اللہ تعالےٰ کی ذات بہت بلند و بالا ہے - وہ نہ کسی کے سامنے جواب دہ ہے نہ کسی کا فیصلہ اُس پر نافذ ہو سکتا ہے۔ مگر خود اُس نے اپنے لئے رحم و کرم لازم کرلیا ہے اسی رحم و کرم کا یہ فیصلہ ہے کہ گمراہی کی اندھیریوں سے نکالنے کے لئے نور عطا فرمائے اور ہدایت کی پیاس بجھانے کے لئے رحمت کی بارش برسائے۔

حاضرین محترم! آپ دریافت فرمائیں گے کہ یہ نور کیا ہے اور روحانی سعادت کی بارش کس طرح ہوتی ہے۔

میں عرض کروں گا کہ یہ نور وحی الٰہی کا نور ہے اور یہ بارش نبوت و رسالت کی بارش ہے اور خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے تو یہ نور اور یہ چشمۂ رحمت وہ سلسلہ ہے جس کو مجددیت یا سلسلہ ولایت کہا جاتا ہے۔

آخر میں عرض کروں گا۔ یہ نبوت و رسالت یا سلسلہ تجدیدؔ ولایت یہ سب کچھ اللہ رب العالمین کی صفت پروردگاری کا تقاضا ہے اور ارحم الراحمین کی رحمت عامہ کی تکمیل ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سوالات اور اُنکے مدلّل جوابات

کلب کے صدر صاحب کا بیان جیسے ہی ختم ہوا ایک نمائندہ نے سوال کیا۔
آپ نے اپنے بیان میں روح اور روحانیت کا تذکرہ کیا ہے - کیا روح اور جان دو چیزیں ہیں -
بیان دینے والوں کی طرف سے فوراً ایک صاحب کھڑے ہوئے جن کا نام عارف تھا - آپ نے جواب دیا۔

جی ہاں دو چیزیں ہیں - جان تو گویا وہ اسٹیم (بھاپ) ہے جو انسان کے بدن میں غذاؤں کے پکنے اور کھولنے سے تیار ہوتی ہے جس طرح ریل کے انجن میں کوئلے دہکتے ہیں، پانی کھولتا ہے جس سے اسٹیم تیار ہوتی ہے اسی طرح خدا نے حیوانات کے جسم میں ایسی صورت رکھی ہے جو غذاؤں اور پانی وغیرہ کو پکاتی ہے اور ضرورت کے مطابق اُن کو بدن کے حصوں میں تقسیم کرتی ہے -خون۔بلغم۔سوداو صفرا وغیرہ جن کو اخلاط کہا جاتا ہے - پکنے کے بعد ہی تیار ہوتے ہیں - اسی پکنے اور کھولنے سے وہ بھاپ تیار ہوتی ہے جس سے یہ ساری مشین چلتی رہتی ہے - جو پھول کی تراوٹ اور چنگاری کی حرارت کی طرح ایک ایک نس اور ایک رونگٹے میں پہونچ جاتی ہے۔
اسی کی نام جان ہے - عربی میں اس کو "نسمہ" یا "روح طبی کہا جاتا ہے

لیکن روح کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ایک نورانی کرن ہے جو عالم بالا سے تعلق رکھتی ہے اور جس کے فیض سے عقل و حواس کے تمام روشن دان چمک اُٹھتے ہیں۔ گویا جان اگر انجن کی اسٹیم ہے تو روح آفتاب کی دھوپ ہے جو انجن پر پڑتی ہے اور جس سے انجن کا ہر ایک پُرزہ روشن ہو جاتا ہے۔

سوال :۔ ایک اور نمائندہ نے سوال کیا یہ تو آپ نے جان اور روح کا مطلب بتا دیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا ثبوت کیا ہے۔

اس نمائندہ نے کہا۔ یہ درست ہے کہ "جان" نظر نہیں آتی۔ مگر اس کا عمل دیکھ کر ہمیں اُس کے موجود ہونے کا یقین ہو جاتا ہے ایک بے ہوش آدمی کی نبض پر انگلیاں رکھتے ہیں اگر نبض میں حرکت ہوتی ہے تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ اس میں جان موجود ہے اور یہ زندہ ہے مگر روح کا ایسا کوئی عمل ہمارے سامنے نہیں۔ پس کیا ضروری ہے کہ ہم روح کو مانیں اور روحانیت کے معتقد بنیں۔

جواب :۔ کلب کے ایک اور ممبر جن کا نام محمود تھا اس کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔

آپ نے فرمایا :۔ محترم بندہ غور فرمایئے روح کا عمل تو جان

کے عمل سے بھی زیادہ نمایاں اور پائیدار رہے۔

دیکھئے آپ مثلاً زید ہیں تو جسم اور جان کے لحاظ سے تو آپ میں سینکڑوں تبدیلیاں آئی ہیں مثلاً اس وقت آپ بچے ہیں پھر جوان ہوں گے۔ پھر بڑھاپا آئے گا۔ کبھی آپ موٹے تازے ہوجائیں گے۔ کبھی کسی وجہ سے آپ جھٹک جائیں گے۔ کبھی بیماری ہوگی۔ کبھی تندرستی۔ کبھی دھوپ سے رنگ میلا ہوجائے گا۔ کبھی پریشانی سے چہرہ پر ہوائیاں اُڑتے لگیں گی۔ پھر آرام اور اطمینان بیسر آئے گا تو آپ کا رنگ نکھر جائے گا۔ چہرہ پر تازگی آئیگی وغیرہ وغیرہ مگران تمام تبدیلیوں میں آپ، آپ ہی رہیں گے۔ آپ کے زید ہونے میں کمی زیادتی نہیں ہوگی اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جسم نحیف ہوجائے جان کا دھاگا کمزور پڑ جائے۔ بڑھاپے سے توانائی جاتی رہے۔ بینائی میں فرق آجائے۔ لیکن ایک چیز جسکو اپنائیت یا وہ باطنی حقیقت کہنا چاہیئے جس کی وجہ سے آپ آپ ہیں، اُس میں کوئی فرق نہیں آئیگا وہ گھٹنے کے بجائے بڑھتی رہتی ہے۔ بہت سے نیک اور پاکباز جو یادِ خدا میں مصروف رہتے ہیں اُن کا جسم لاغر۔ جسمانی طاقت کمزور اور جان نحیف ہوجاتی ہے۔ مگر وہ باطنی حقیقت بے حد قوی اور باا ثر ہوجاتی ہے۔

یہ باطنی حقیقت کیا ہے ۔ یہ وہی روحانیت ہے جو روح کا اثر ہے ۔ جو گویا عالم بالا کے آفتاب کی دھوپ ہے جس قدر عالم بالا سے تعلق زیادہ ہوگا یہ دھوپ نکھری ہوئی صاف شفاف ہوگی ۔ اور جس قدر جسمانیت، مادیت اور مادی خواہشات کی گھٹائیں چھائی رہیں گی اس دھوپ میں فرق آتا رہے گا ۔

سوال :۔ ایک اور نمائندہ نے سوال کیا ۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو عقل کی دولت عطا فرمائی ہے ۔ یہی دولت ہے جس نے اس کو تمام حیوانات پر عزت بخشی اور اس کا درجہ تمام حیوانوں سے بلند کیا ۔ پس جبکہ عقل کی دولت انسان کے پاس موجود ہے تو نبوت اور الہام کی کیا ضرورت ہے ۔

جواب :۔ کلب کے ایک ممبر جن کا نام محمد تھا جواب کے لئے تیار ہوئے ۔ آپ نے فرمایا ۔

ہمارے فاضل دوست کا یہ ارشاد صحیح ہے کہ عقل اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا انعام ہے جو انسان کو عطا ہوا ۔ انسان اس سے بہت سی باتیں معلوم کر سکتا ہے ۔ موجودہ زمانہ کی ترقیات عقل ہی کا نتیجہ ہیں ۔ لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عقل کا دائرہ محدود ہے ۔

دیکھنے، سننے یا چھونے اور چکھنے سے (یعنی حواسِ[1] خمسہ سے)
جو چیزیں معلوم ہوتی ہیں عقل انہیں میں ترتیب[2] قائم کرکے ایک
نتیجہ نکالتی ہے۔ ہمارے ان حواس کا عمل مادیات میں ہوتا ہے۔
اسی طرح عقل کا عمل بھی مادیات کی حدود سے آگے نہیں بڑھتا۔ اگر بڑھتا
ہے تو اُس میں بہت کچھ غلطیاں کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے یہ
حواس جو ہماری معلومات کا ذریعہ ہیں بسا اوقات غلطیاں کر جاتے ہیں
یعنی آفتاب ایک سفید چمکدار توا نظر آتا ہے۔ حالانکہ وہ گیند کی طرح
گول ہے۔ دُور سے ایک چیز نظر آتی ہے۔ ہم اُسے سیاہ نقطہ سمجھتے

---

[1] انسان میں پانچ طاقتیں ہیں جن کے ذریعہ دنیا کی چیزوں کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی (۱)
دیکھنے کی طاقت، جس کو قوت بصر کہا جاتا ہے (۲) قوت سمع (سننے کی طاقت) (۳) قوت شم
(سونگھنے کی طاقت (۴) قوتِ ذوق یعنی چکھنے کی طاقت (۵) قوت لمس۔ چھونے کی طاقت
ان پانچ طاقتوں کو "حواس خمسہ" کہا جاتا ہے۔

[2] مثلاً رات دن کا مشاہدہ ہے کہ جو چیز بدلتی سدلتی رہتی ہے وہ ازلی ابدی نہیں ہوتی۔ کسی
نہ کسی دن ختم ہو جاتی ہے اسی مشاہدہ کی بنیاد پر عقل نے غور و فکر شروع کیا۔ اُس نے دیکھا کہ
خود دنیا کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک حال پر نہیں رہتی۔ صبح کچھ، شام کچھ۔ گرمیوں میں کچھ حالت
سردیوں میں کچھ کیفیت۔ اب قدرتی طور پر یہ نتیجہ مرتب ہو گیا کہ دنیا ازلی ابدی نہیں کیونکہ بدلتی
سدلتی رہتی ہے اور جو چیز بدلتی سدلتی رہے وہ ازلی ابدی نہیں ہو سکتی لہذا دنیا بھی ازلی ابدی
نہیں ہو سکتی۔ ۱۲

ہیں مگر جب قریب پہونچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ گنبد ہے۔

کبھی کبھی ہمیں شہد کڑوا معلوم ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ شہد ہمیشہ میٹھا ہی ہوتا ہے۔ کڑوا اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے موتھ کا مزا بگڑا ہوا ہوتا ہے۔

جب یہ حواس اس قدر کھلی ہوئی غلطیاں کرتے ہیں تو لامحالہ عقل بھی غلطی کرجاتی ہے کیونکہ اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ اُنہیں حواس کا دیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقلی باتوں میں ہمیشہ بڑے بڑے عقلمند ایک دوسرے کی غلطی بتاتے رہے ہیں۔ انتہا یہ کہ آسمان اور زمین، چاند اور سورج جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور ہر وقت ہماری نگاہیں اُن سے ٹکراتی رہتی ہیں دُنیا کے عقلمند اُن کے بارے میں بھی متفق نہیں ہو سکے۔ سائنس اور فلسفہ کے پُرانے ماہرین کی تحقیق یہ تھی کہ آسمان نَو ہیں۔ پھر ان آسمانوں کے ایسے طبقے مانتے تھے کہ اُن کی تعداد ستائیس تک پہنچ جاتی تھی۔ زمین آسمانوں کی ترتیب پر نجوم اور جوتش وغیرہ کے بہت سے علوم ایجاد کئے گئے تھے۔ لیکن موجودہ دور کے ماہرین سائنس اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ وہ اپنی تحقیق یہ بتاتے ہیں کہ آسمان ایک بھی[1] نہیں۔ اگر ہوں گے

---

[1] قرآن حکیم میں آسمانوں کا ذکر ہے اور جگہ جگہ سبع سمٰوٰت۔ کا لفظ آیا ہے (باقی صفحہ پر)

تو کہیں آفتاب و ماہتاب سے اوپر جہاں تک اُن کی تحقیقات کی رسائی نہیں ہوئی ہے شاید وہاں ہوں ۔ سائنس قدیم کے ماہرین زمین کو ساکن، آسمان کو متحرک مانتے تھے ۔ موجودہ سائنس داں اس کے بالکل برعکس ۔ زمین کو متحرک اور نظام شمسی کو اپنی جگہ قائم مانتے ہیں ۔ پُرانی سائنس والے ہوا سے اوپر ایک کرۂ نار (آگ کا کرہ) مانتے تھے ۔ جہاں سے دنیا میں حرارت اور گرمی پہونچتی ہے ۔ موجودہ سائنس اس کو طلسم ہوش رُبا کا افسانہ بتاتی ہے ۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ حرارت کا مرکز آفتاب ہے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ اُس کی ذات وصفات ۔ روح ۔ فرشتوں

ص۱۷ کا بقیہ ۔ یعنی سات آسمان ۔ لیکن ان آسمانوں کی تردید موجودہ سائنس بھی اب تک نہیں کر سکی ۔ کیونکہ موجودہ سائنس کی تحقیق چاند سورج اور تاروں تک پہونچی ہے اور قرآن حکیم میں بتایا گیا ہے کہ آسمان ان سب سے اوپر ہیں یہ چاند تارے اُس کے لئے زینت ہیں ۔ اسی طرح جیسے چھت کے لئے قندیل اور جھاڑ فانوس زینت ہوا کرتے ہیں جو چھت سے بہت نیچے آویزاں ہوتے ہیں ۔ مقابلہ قرآن حکیم اور موجودہ سائنس کا نہیں بلکہ تصادم سائنس قدیم اور سائنس جدید کا ہے ۔ کیونکہ سائنس قدیم اس کی مدعی تھی کہ یہ تارے آسمانوں میں گڑے ہوئے ہیں ۔ پہلے آسمان پر چاند دوسرے پر عطارد تیسرے پر مریخ چوتھے پر آفتاب وغیرہ ۔ اور موجودہ سائنس کا دعویٰ ہے کہ یہاں اگر ہے تو صرف ایسی منجمد فضا جس کو ہلکے بادلوں سے تشبیہ دی جاتی ہے قال اللہ تعالےٰ وان یروا کسفا من السماء ساقطا یقالوا سحاب مرکوم سورۂ طور ۔

انسانی اعمال ۔ اُن کی جزا و سزا ۔ خود اُن کی زندگی اور موت وحیات کے بارے میں ماہرین سائینس وغیرہ کے قول ہمیشہ مختلف رہے ہیں اور آج تک مختلف ہیں ۔ مگر اس کے برعکس نبوت و رسالت کا پیغام ہمیشہ ایک رہا صرف اتنا ہی نہیں کہ جن عقائد کی تعلیم ہمارے حضرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلّم نے دی تھی ۔ وہ تقریباً ڈیڑھ ہزار برس گذرنے پر بھی آجتک اپنی جگہ قائم اور برحق ہیں ۔ اُن میں شمہ برابر فرق نہیں آیا ۔ بلکہ سچّائی اور صداقت یہ ہے کہ جن عقائد کی تعلیم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے دی ۔ اُنہیں کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اُن سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السّلام، حضرت نوح حضرت شیث اور حضرت آدم علیہم السّلام نے دی تھی ۔ سب نے یہ ہی بتایا کہ اللہ ایک ہے ۔ وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا اُس کی بہت سی صفات ہیں ۔ اور تمام صفات کامل و مکمل ہیں ۔ سب نے یہ ہی بتایا کہ انسان کے ہر اچھے بُرے عمل کا اچھا بُرا بدلہ اس کو ملنے والا ہے ۔ انسان کی یہ زندگی کھیتی ہے اُس کا پھل آخرت ہے ۔ سب نے یہی بتایا کہ اللہ کے وہ پاک بندے جن کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے وہ گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ۔ اُن کی ہر ایک بات سچّی ہوتی ہے ۔ وہ اس لئے خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں کہ وہ راستے بتائیں جن پر چل کر انسان

آخرت سنوار سکے۔ سب نے یہ بتایا کہ اللہ نے انسانوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مخلوق پیدا کی ہے۔ اُن میں فرشتے اور جنات بھی ہیں اس تعلیم میں کبھی بھی کوئی فرق نہیں آیا۔ کیونکہ وہ تخیلات نہیں بلکہ حقیقت اور واقعہ ہیں۔ اُن کا پتہ خالق کائنات عالم الغیب نے دیا ہے۔ اُن میں نہ کسی غلطی کا احتمال تھا نہ کبھی کوئی غلطی ہوئی۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ جب ماہرین سائنس و فلسفہ نے اپنی عقل نارسا اور اپنے لنگڑے فکر کو اس میدان میں دوڑایا تو بہت سی ٹھوکریں خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر کے دین کی شکل بگاڑ دی اور حقیقت کے آفتاب کو اپنی کج فہمی اور غرور عقل کے گرد سے غبار آلود کر دیا۔ معاذ اللہ۔

آخر میں مختصر سی بات اور سمجھ لو۔ خط مستقیم ایک ہی ہوا کرتا ہے اس کے سوا، یا تو ٹیڑھی میڑھی لکیریں ہوتی ہیں جو کسی کنارے تک نہیں پہونچتیں اور بیچ ہی میں اُلجھ کر رہ جاتی ہیں یا چکر اور گھوم کے بعد کسی کنارے تک پہونچتی ہیں۔ یہ خط مستقیم انبیاء علیہم السلام کو بتایا گیا۔ اُنھوں نے اِسی کی تعلیم دی۔ اس لئے سب کی دعوت ایک رہی۔ عقل کے زور سے یہ خط مستقیم نہیں معلوم ہو سکا۔ اسی لئے عقل پرستوں میں ہمیشہ اختلاف رہا۔ اللہ تعالےٰ نے رحم فرمایا اور عقل کو اس کٹھن آزمائش سے نجات دینے کے لئے نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔

سوال :- ایک نمائندہ نے عجیب طرح کی منطق بگھاری ۔ انھوں نے سوال کیا۔ آپ کے بیان سے یہ تو ثابت ہوا کہ سلسلہ نبوّت اللہ تعالےٰ کی صفت ربوبیت اور صفت رحمت کا تقاضا ہے لیکن کیسے معلوم ہوا کہ یہ خود بھی رحمت ہے ۔

جواب :- حامد صاحب فوراً کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ آپ کا یہ سوال عجیب ہے ۔ صفت رحمت کا ظہور ظاہر ہے رحمت ہی ہوگا غضب اور قہر نہیں ہوگا ۔ ماں باپ کی محبّت و شفقت کا ظہور محبت و شفقت ہی ہوگا۔ ہاں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں بچّہ پر مار بھی پڑتی ہے تو یہ اگرچہ بظاہر قہر ہے مگر درحقیقت وہ شفقت ہی ہے کیونکہ اُس موقعہ پر بچّہ کا فائدہ اسی میں ہوتا ہے ۔ اور اسی فائدہ کی غرض سے ماں باپ کی یہ خفگی ہوا کرتی ہے جو خود اُن کے لئے تکلیف دہ ہوتی ہے ۔ مگر جیسا بچّہ کے راحت و آرام اور اُس کے فائدہ کے لئے ماں باپ بہت سی پریشانیاں برداشت کرتے رہتے ہیں وہ یہ دلی کوفت بھی برداشت کرتے ہیں جو بچّہ کو مارپیٹ کے وقت ہوتی ہے ۔

حامد صاحب نے فرمایا ۔ اس منطقی بحث کو چھوڑ کر آپ ایک سیدھی اور صاف بات ملاحظہ فرمائیے کہ عقل کی سوچی ہوئی بات ہیں

دل و دماغ کو سکون نصیب نہیں ہوتا۔ دغدغہ اور خدشہ ہی رہتا ہے کہ خدا جانے کہاں تک صحیح ہے۔ یہ دغدغہ اور خدشہ ایک طالب حق کے لئے بہت بڑی مصیبت ہے۔ اس سے سمجھدار آدمی کا دماغ پریشان رہتا ہے۔

جو چیز اس دغدغہ اور خدشہ سے نجات دلاتی ہے وہ صرف اللہ کی وحی اور نبی کی تعلیم ہے۔ مثلاً یہ بات کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا عقلی طور پر اس کا کوئی فیصلہ آج تک نہ ہو سکا۔ نہ کبھی ہو سکے گا۔ کیونکہ مرنے والے واپس نہیں آتے اور زندے وہاں پہونچ نہیں سکتے۔ ہاں اللہ تعالےٰ کے نبیوں اور رسولوں نے اور اللہ تعالےٰ کے الہام و وحی نے مرنے کے بعد کی تمام باتیں تفصیل و وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر بتادی ہیں تو انسان بہت بڑی کش مکش سے نجات پاچکا ہے اور حق و باطل کی دو راہیں کھل کر اس کے سامنے آگئی ہیں۔ اب یہ کام خود انسان کا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السّلام کی بتائی ہوئی راہ اختیار کر کے اطمینان کی دولت حاصل کرے یا اسی طرح بحث و مباحثہ کی الجھنوں اور دماغی پریشانیوں میں عمر گذار کر لاحاصل زندگی کا طومار اپنے ساتھ لے جائے۔

پس غور و فکر۔ عقلی کدوکاوش اور دماغی کاوش کا جہاں تک تعلق ہے

اس سے بڑھ کر رحمت کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السّلام کے ذریعہ روح اور دل و دماغ کو کوفت اور کش مکش سے نجات دلائی اور اعلان فرمادیا۔ (لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی)

سوال:۔ ایک اور نمائندہ نے سوال کیا۔

کیا آپ اس پر روشنی ڈالیں گے کہ نبی کی تعلیم یعنی صحیح عقیدہ کے بغیر نجات کیوں نہیں ہو سکتی۔

جواب:۔ کلب کے ایک ممبر نے جواب دیا:۔

محترم بندہ۔ خود آپ کے سوال میں آپ کا جواب موجود ہے عقیدہ صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود اور نصب العین مقرر نہیں ہے۔ یا غلط کو صحیح۔ اور جو منزل نہیں ہے اس کو منزل سمجھ لیا گیا ہے ایسی صورت میں کامیابی تو کیا کامیابی کا تصور بھی غلط ہے۔ مثلاً ایک شخص بڑی تیزی سے دوڑ رہا ہے اور صبح سے شام تک گرمی ہو یا سردی، دھوپ ہو یا بارش، ہر وقت دوڑتا ہی رہتا ہے۔ نہ اُس کو کھانے کی فکر ہے نہ راحت و آرام کی خبر ظاہر ہے بے حد محنت کر رہا ہے۔ مگر یہ محنت اور یہ قربانی اسی وقت کارآمد ہو سکتی ہے جب کوئی منزل مقرر ہو۔ اور اس کی دوڑ دھوپ اس منزل کی طرف ہو۔ پس اگر کوئی منزل ہی مقرر نہیں۔ یا منزل

تو معین کر لی ہے مثلاً دہلی پہونچنا چاہتا ہے مگر دوڑ رہا ہے کلکتہ یا بمبئی کی طرف - تو آپ کو اس کی دوڑ دھوپ اور اس کی رات دن کی محنت اور جانفشانی پر خواہ کتنا ہی رحم آئے مگر یہ سب کچھ بیکار ہوگا وہ قیامت تک منزل پر نہیں پہونچ سکے گا - یہ ایک قدرتی بات ہے یہاں آپ کا رحم و کرم اگر کام آسکتا ہے تو صرف اسی صورت میں کہ آپ ہر ممکن کوشش کر کے اس کی منزل معین کرادیں اور راستہ سیدھا بتادیں -- ایک لڑکا دن رات مطالعہ میں صرف کرتا ہے کسی وقت اُس کی نگاہ کتاب سے نہیں ہٹتی - مگر یہ ناول ہوتے ہیں یا قصے اور افسانے - ظاہر بات ہے کہ وہ امتحان میں فیل ہوگا - اگر آپ اُس کو کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں تو اُس کو کورس کی کتابیں بتائیے اور اُن کے مطالعہ پر آمادہ کیجئے - یہ ضروری نہیں کہ چوبیس گھنٹے مطالعہ کرے ضروری یہ ہے کہ جو مطالعہ کرے وہ اس کے کورس کی کتاب ہو یا اس کی معاون -

کانفرنس میں چند سوالات اور ہوئے جن کے جواب صدر نے دیئے وہ سوال اور اُن کے جواب یہ ہیں -

سوال - اچھا - نبوّت کا یہ مبارک سلسلہ ختم کیوں ہوگیا -

جواب - اس لئے کہ ضرورت نہیں رہی - کیونکہ تعلیم مکمّل ہو چکی - خدا

کا مکمل اور آخری پیغام نازل ہو چکا اور وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ یہ آخری اور مکمل پیغام قرآن شریف ہے جو آج تک پوری طرح محفوظ ہے اور رہتی دنیا تک محفوظ رہے گا۔

سوال۔ مگر کفر، شرک، فسق و فجور کی خرابیاں تو اب بھی باقی ہیں۔ بلکہ دن بدن زیادہ ہیں۔

جواب:۔ بیشک باقی ہیں اور باقی رہیں گی اور جیسے جیسے قیامت قریب آئے گی یہ خرابیاں اور بڑھیں گی۔ سوال یہ ہے کہ صحیح تعلیم بھی باقی ہے یا نہیں۔ جس طرح اس دُنیا میں نور اور ظلمت، تکلیف اور راحت۔ خوشی اور رنج۔ محبت اور عداوت، ساتھ ساتھ ہیں۔ ایسے ہی حق اور باطل۔ سچ اور جھوٹ، بُرائی اور بھلائی بھی ایک دوسرے کے مقابل چلتی رہتی ہے اور چلتی رہے گی۔ یہ دُنیا اسی طرح بنی ہے۔ اس کی تمام ہی چیزیں جوڑواں ہیں اور ایک دوسرے کی مقابل۔ لہذا کفر و شرک یا فسق و فجور کی تاریکی تو ختم نہیں ہو گی البتہ ضروری یہ ہے کہ ہدایت کا نور بھی باقی رہے۔ پس اگر نور باقی ہے تو نبی کی ضرورت نہیں۔

سوال:۔ بیشک نور یعنی قرآن حکیم صحیح سالم۔ باقی ہے۔ مگر اس کو باقی رکھنے والے اور پھیلانے والے تو ہونے چاہئیں۔

جواب - یہ خدمت علماء کے سپرد ہے - اسی لئے ایک حدیث میں ہے - کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے علماء کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے (علیہم السلام) تشبیہہ دی ہے کہ میری اُمت کے علماء وہ کام کریں گے جو بنی اسرائیل کے نبی کیا کرتے تھے - یعنی دین کی حفاظت - اللہ کے پیغام کی اشاعت - اس راستہ میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنا اور ہر موقع پر پوری جانفشانی سے کام لینا' جو بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی شان تھی - اُمت محمدیہ کے علماء حق اس شان کو نبھائیں گے - چنانچہ دُنیا دیکھ رہی ہے کہ علماء ربانی اس فرض کو انجام دے رہے ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہر سو سال پر ایسے علماء پیدا ہوں گے جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے یعنی دوسرے فرقوں کے اثر - یا خود اپنے خاندانوں' برادریوں کے رسومات یا غلط لوگوں کی غلط تعلیم اور اُن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے جو کمزوریاں مسلمانوں میں پیدا ہو جائیں گی اُن کو دور کر کے اُمت میں نئی زندگی پیدا کرتے رہیں گے - ایسے علماء کو مجدّد کہا جاتا ہے - یعنی اُمت میں نئی زندگی پیدا کرنے والے - اُن کو بھی تبلیغ و اصلاح کے سلسلہ میں بہت مصیبتیں برداشت کرنی

پڑتی ہیں۔ بسا اوقات اُن کی زندگیاں اسی میں ختم ہو جاتی ہیں لیکن آخرکار وہ اصلاحات نافذ ہوتی ہیں اور اُن کی قربانیوں کے بہتر نتیجے سامنے آتے ہیں۔

اس کے بعد جب اور کوئی سوال نہیں ہوا اور جو بیان پہلی مرتبہ پڑھ کر سُنایا گیا تھا اُس کو نمائندوں نے سمجھ لیا تو جناب صدر کھڑے ہوئے اور کلب کے تمام ممبران کی طرف سے آنے والے نمائندوں کا شکریہ ادا کیا۔ پھر نمائندوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اُنھوں نے کلب کے اراکین اور صدر صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ اُن کی محنت اور کوشش سے یہ علمی کانفرنس کامیاب ہوئی اور ایک نہایت ضروری مسئلہ کے بہت سے پہلو سامنے آگئے۔

دونوں طرف سے شکریہ کی ادائیگی کے بعد صدر جلسہ نے کھڑے ہو کر کانفرنس ختم ہونے کا اعلان کیا۔

(والحمد للہ)

باسمہ سبحانہ

مذاکرہ

بچّوں کا سیمنار

اس حصّہ کے مضامین درجہ پنجم کے بچّوں سے لکھوائیے اور ہفتہ واری جلسوں میں پڑھوائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی مذاکرہ

بچوں کا سیمینار

حامداً و مصلیاً

بچوں کے دینی کلب جو تقریباً ہر مسجد کے حلقہ میں قائم ہیں ایک مرتبہ اُن میں یہ بحث چلی کہ انسان کیا ہے، اُس کے فرائض کیا ہونے چاہئیں اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ بہت دنوں تک ان سوالوں کا چرچا رہا۔ ہر ایک کلب میں اُن پر بحث ہوتی رہی۔ آخر شہر کے تمام دینی کلبوں کے ممبر اکٹھے ہوئے اور یہ طے کیا گیا کہ انہیں سوالات کے متعلق پورے شہر کے بچوں کا ایک علمی اجتماع کیا جائے اور صورت یہ کی جائے کہ یہ سوالات لکھکر ہر ایک دینی کلب میں بھیج دیئے جائیں اور کلب کے ممبروں سے درخواست کی جائے کہ ان کے جوابات قلمبند کریں اور وقت مقررہ تک مرکزی کمیٹی کے ناظم صاحب کے پاس بھیجدیں پھر کوئی تاریخ اور مقام مقرر کر کے تمام طلبہ کا ایک عام اجتماع اس علمی مذاکرہ کے لئے ہو اور اُس میں جوابات پڑھ کر سُنائے جائیں۔ چند اساتذہ کے نام سرپرستی اور نگرانی کے لئے منتخب کئے گئے ان اساتذہ نے بھی بچوں کی حوصلہ افزائی کے لئے سرپرستی منظور فرمائی چنانچہ ایک تاریخ مقرر ہوئی۔ پورے شہر کے دینی کلبوں کے کئی سو ممبر جمع ہوئے اُنھوں نے اپنے لکھے ہوئے مضامین پڑھے۔ کئی روز تک یہ شاندار علمی میلہ ہوتا رہا۔ ان مضامین میں چند مضمون خاص طور پر پسند کئے گئے۔ اُن کو آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور سوچ سمجھ کر اپنے انداز میں ان کو اپنی طرف سے اپنے قلم سے لکھئے۔

انسان کیا ہے؟

فلسفہ منطق ۔ اور ماہرین سائنس کی تحقیقات

اور

اسلام کی بلند و بالا تعلیم

اَلحمدُ للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

وقال اللہ تعالیٰ فی کلامہ المجید وفرقانہ الحمید:

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الاَرضِ خَلِیفَۃً

دوستو! اور بزرگو! ہمارے دینی کلبوں میں عرصہ سے بحث جاری ہے کہ "انسان کیا ہے"؟ راقم حروف عالم فاضل نہیں ۔ بہتر مضمون نگار نہیں ۔ البتہ مضمون نگاری کا شوق ہے اور علم و ادب کے گلشنوں یعنی دینی کلبوں سے گہرا تعلق ہے ۔ علماء کرام کے حلقۂ فیض سے بھی علم کے پھول چنتا رہتا ہوں اور انہیں دلچسپیوں کا

نتیجہ ہے کہ یہ کاغذی گلدستہ لے کر حاضر ہوا ہوں کہ اس عظیم الشان علمی اجتماع میں میرا نام بھی یوسف کے خریداروں میں لکھ لیا جائے۔

اب چند فقرے پیش کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائے جائیں۔

بزرگو! اور دوستو! اس حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں کہ اس تمام کائنات میں جو ہمارے سامنے ہے انسان سب سے بہتر ہے "اشرف المخلوقات" اس کا خطاب ہے اور اس کی ممتاز خصوصیت وہ علم اور وہ عقل و دانش ہے جس کے موتیوں سے اس کا دامن پُر کیا گیا ہے۔

مگر اس اشرف المخلوقات کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ یہ سوال آجتک جواب طلب ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی عقل و دانش پر ناز کرنے لگتا ہے اور اپنی فہم و فراست کے زعم میں وحی اور الہام کو بھی نظر میں نہیں لاتا۔ لیکن عقل و دانش کا یہ غرور، شرمندہ اور نادم ہو جاتا ہے جب وہ خود اپنے اوپر نظر کرتا ہے اور اپنی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے۔

غور فرمائیے۔ انسان موجود ہے۔ بلاشبہ موجود ہے۔ اُس کے اہل و عیال ہیں۔ خاندان اور قبیلے ہیں۔ اُس کے پاس دھن

دولت ہے۔ اس کو حکومت و سلطنت کا اقتدار حاصل ہے۔ وہ بڑے بڑے کارخانوں اور فیکٹریوں کا مالک ہے۔ وہ ریسرچ اور تحقیقات سے ہر چیز کی حقیقت معلوم کر رہا ہے اور اس کو اپنی مرضی کے مطابق بنا سنوار رہا ہے۔ مگر وہ خود کیا ہے۔ کیا وہ خود اپنی حقیقت سے واقف ہے۔؟

سیکڑوں زبانیں متکلّم ہوئیں کہ حقیقت انسا[illegible] واضح کریں۔ سیکڑوں قلم متحرک ہوئے کہ انسان کی ماہیت قلم بند کریں۔ ہر ایک نے اپنی بساط کے بموجب حقیقت انسان پر روشنی ڈالی۔ مگر جو کچھ بیان کیا وہ محض قیاس و گمان تھا۔ یقین کے ساتھ کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ کیا ہے۔ یقین کے موقع پر یہی کہنا پڑا۔

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

اور نہ صرف یہ کہ عقل و دانش اور تحقیق و تفتیش نے تھک کر ہتھیار ڈال دیئے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ بڑے بڑے باکمالوں کا آخری فیصلہ یہ ہوا کہ اس وادی لق و دق میں عاجزی ہی کامیابی ہے۔ اور نادانی کا اعتراف ہی دانائی ہے۔ بقول ابو شکور بلخی۔

تا بدانجا رسید دانش من
کہ بدانم ہمی کہ نادانم

اچھا ظن و گمان کے درجہ پر جو حقیقت بتائی گئی وہ کیا ہے
آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ قیاس و گمان بھی مختلف ہیں اور تماشا یہ ہے
کہ ایک ہی سلسلہ کے اگلے اور پچھلے ماہرین کی رائیں مختلف ہیں۔ مثلاً
تقریباً ڈھائی ہزار برس پہلے یورپ کے علماء جن کو دانش وران یونان
(حکماء یونان) کہا جاتا ہے جو منطق و فلسفہ کے پہلے اُستاد مانے جاتے
ہیں اُن کی رائے تھی کہ انسان ایک قسم کا حیوان (جاندار) ہے
عام جانوروں اور انسانوں میں فرق یہ ہے کہ اس کو قوتِ ادراک[1]
عطا ہوئی۔ اور جانور اس سے محروم ہیں۔

انسان کی یہ خاصیت ہے کہ وہ سوچ وچار کر کے بہت سی
نامعلوم باتیں معلوم کر لیتا ہے۔ باقی دوسرے حیوانات اور نہ صرف
حیوانات بلکہ فرشتے اور جنات بھی اس خاصیت سے عاری ہیں۔ پس
ان دانش وروں۔ اور فلسفہ و منطق کے سب سے پہلے اُستادوں
نے انسان کی حقیقت یہ بیان کی کہ وہ حیوان ناطق ہے۔ یعنی ایک
ایسا جان دار جس میں ادراک کی قوت ہے۔

تقریباً ڈھائی ہزار سال بعد یورپ میں نئی تحقیقات کا سلسلہ

---

[1] یعنی ایسی طاقت جس کے ذریعہ انسان میں یہ صلاحیت ہو کہ اپنے سامنے کی چیزوں میں غور و فکر کر کے ایسے نتیجے نکال سکے جو سامنے موجود نہیں ہیں۔ آئندہ پیدا ہونے والے ہیں

شروع ہوا۔ نیا فلسفہ جسے سائنس کہتے ہیں سامنے آیا۔ رائے تو ان
سائنسدانوں کی بھی ہے کہ انسان ایک قسم کا جانور ہے جس کو نطق اور
دراک عطا ہو گیا۔ مگر انسان کی پیدائش اور درجہ بدرجہ عقل و حواس
کی ترقی کا جو افسانہ یہ بیان کرتے ہیں وہ بہت ہی دلچسپ ہے۔
سنیئے۔

کہتے ہیں سب سے پہلے آفتاب تھا۔ خدا جانے کیا بات ہوئی
کہ آفتاب کا ایک کنارا جھڑا۔ آفتاب آگ ہے۔ یہ کنارہ بھی آگ ہی
تھا۔ عرصہ تک یہ انگارا دہکتا رہا اس کے شعلے بھڑکتے رہے۔ پھر
رفتہ رفتہ یہ شعلے کم ہوئے اور بارش کا سلسلہ شروع ہوا۔ سالہا
سال بلکہ ہزاروں سال بعد اس کی لپٹیں بجھیں اور خاک کے تودے
بننے شروع ہوئے۔ ہماری یہ گول زمین سمندروں سے گھری ہوئی
یہی انگارہ ہے جو آفتاب سے ٹوٹ کر گرا تھا۔ صدیوں تک بارشوں
میں نہانے اور ٹھنڈے ہونے کے بعد اس میں نشوونما کی قوت
پیدا ہوئی۔ پھر بہت طویل عرصہ کے بعد جو ہزاروں برس کا ہوگا
ایک ایسی چیز وجود میں آئی جس کو زندگی کا بیج کہنا چاہیئے۔ زندگی کا
بیج بڑھا۔ اُس نے رفتہ رفتہ قوت حاصل کی اور ہزاروں برس میں

٭ یعنی پروٹو پولازم (Protopolam)

یہ بیج موجودہ جانداروں کی زندگی کے درجہ پر پہونچا۔

آسانی کے لئے یوں سمجھو کہ سب سے پہلے نشو ونما کی وہ خفیف سی طاقت اور وہ ہلکی سی جھلک پیدا ہوئی جو پہاڑوں کی چٹان جیسی چیزوں میں ہوتی ہے جن کو جمادات کہا جاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ طاقت اُس درجہ پر پہونچی جو جڑی بوٹیوں، پودوں اور درختوں میں پائی جاتی ہے جن کو نباتات کہا جاتا ہے۔ یہیں سے زندگی کی کرن پھوٹی اور عالم حیوانات کا آغاز ہوا۔ حیوانات میں نشو ونما بھی ہے زندگی بھی ہے اور ایک تیسری چیز بھی ہے جس کو شعور[1] کہا جاتا ہے بعض قسموں میں یہ شعور بالکل ابتدائی درجہ کا ہے اور بعض میں اس کا درجہ بلند ہے۔ پیش رفت اور ترقی کا سلسلہ بند نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ یہ اشرف المخلوقات وجود میں آیا جس کو انسان کہا جاتا ہے۔ جس میں نشو ونما اور زندگی کے ساتھ شعور کا بھی وہ ترقی یافتہ درجہ ہے جس کو عقل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس داستان دل فریب و ہوش رُبا کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ انسان حیوان ہے فرق صرف یہ ہے کہ منطق و فلسفہ کی اصطلاح میں انسان حیوان ناطق ہے اور سائنس جدید کی اصطلاح میں ا...

---

[1] شعور یعنی وہ طاقت جس کے ذریعہ گرمی یا سردی جیسی چیزوں کا احساس ہوتا ہے

حیوان کی ترقی یافتہ صورت ہے اور انسانیت حیوانیت کا ترقی یافتہ درجہ
یہ سب مرحلے طے ہو چکے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یقین اور اعتقاد کا
درجہ سائنس جدید کی تحقیقات کو بھی نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ حقیقت انسان
کے متعلق یہ ساری داستان بھی چند سائنس دانوں کی رائے ہے جس
پر خود اُن کو یقین نہیں ہے وہ خود سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے بعد کے آنے
والوں کی تحقیق اس کے خلاف ہو اور یہ نظریہ جو اب تک قائم ہوا ہے
فریبِ نظر ثابت ہو جائے۔

بہر حال اس وقت اس سے بحث نہیں کہ یہ تحقیقات صحیح ہے یا غلط
قابل توجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر انسان ایک حیوان قرار پاتا ہے اور
عام جانوروں کی حد سے آگے بڑھ کر نہ اللہ تعالےٰ سے اُس کا کوئی خاص
رابطہ قائم ہوتا ہے، نہ کائنات پر اس کو کوئی اقتدار حاصل ہوتا ہے
نہ اُس کا کوئی ایسا حق ثابت ہوتا ہے جس کی بنا پر وہ بحر و بر اور دشت
و جبل پر تسلط کر سکے۔ نہ آپس کے لحاظ سے بھائی چارہ کا کوئی مؤثر رشتہ
نشو و نما ہوتا ہے نہ اُس کے ذمہ کوئی اخلاقی مطالبہ عائد ہوتا ہے۔

پس انسان سے یہ مطالبہ غیر فطری ہوگا کہ وہ عام حیوانات کی
سطح سے بلند ہو کر خدا پرستی۔ اور خدا شناسی، دیانت و امانت۔ اخلاص
و صداقت کے جوہر اپنے اندر پیدا کر لے۔

خدمتِ خلق - بھائی چارہ اور انسانی اخوت - رحم و کرم - عدل انصاف - شجاعت و سخاوت - بلاشبہ اعلیٰ اخلاق ہیں اگر دوسرے حیوانات پر ان اعلیٰ اخلاق کی ذمہ داری عائد نہیں اور اگر چرند و پرند سے ان اخلاق کا مطالبہ بے محل اور بے جوڑ ہے تو انسان بھی اپنی حیوانیت کا عذر پیش کر کے ان تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ فلسفہ، منطق اور سائنس کی تحقیقات کی رو سے انسان کی جس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اگر وہ صحیح مانی جانے تو اعلیٰ اخلاق کا سارا دفتر بے معنی اور انسانی شرافت کا طرۂ امتیاز قطعاً بے کار ثابت ہوتا ہے۔ اور انسان اور مکارم اخلاق کے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں قائم ہوتا جس کو فطری کہا جا سکے

اب آئیے کلام اللہ کا مطالعہ کیجئے۔ یہاں جو کچھ ہے یقین ہی یقین ہے - یہاں شک و شبہ اور قیاس و گمان کا نام و نشان تک نہیں - کیونکہ یہ اُس ذات کا کلام ہے جو پوری کائنات کا خالق، ظاہر و پوشیدہ کا واقف اور ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی چیز بھی اُس کے سامنے ایسی عیاں ہے جیسے دوپہر کے وقت آفتاب کی دھوپ - اسی ذاتِ برحق کے کلامِ پاک[1] میں ہے -

---

[1] صرف قرآن حکیم ہی نہیں بلکہ انجیل و توراۃ اور جملہ صحف کی تعلیم یہی ہے -

اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ زمین میں خلیفہ اور
نائب مقرر کرے تو اُس نے حضرت آدم
(علیہ السّلام) کو پیدا کیا اور اُس کو علم کا
شرف عطا فرمایا[1]۔ فرشتوں سے کہا کہ آدم
کے سامنے پیشانی خم کرو۔ چنانچہ سب
فرشتوں نے اس کی تعمیل کی۔ صرف شیطان
نے گردن موڑی جو مردود قرار دیا گیا۔ (سورہ بقرہ)
جتنے بھی انسان ہیں وہ سب انہیں آدم
علیہ السّلام کی پشت سے ہیں[2]۔

مختصر یہ کہ اسلام اس تصوّر سے بھی بیزار ہے کہ انسان کو
جانور سمجھا جائے۔

بیشک انسان میں کھانے، پینے، مرنے، جینے، بیمار پڑنے اور
اچھے ہونے کی وہ حاجتیں موجود ہیں جو جانداروں میں ہوا کرتی ہیں
اور اسی بناء پر کسی بھی انسان کے متعلق یہ عقیدہ سراسر غلط ہے کہ
کہ وہ معاذ اللہ خدا یا خدا کا اوتار۔ یا خدا کا بیٹا ہے۔ لیکن ان

---

[1] سورہ بقرہ رکوع [2] سورہ اعراف رکوع ۲۲

مادی حاجتوں کے باوجود کلام اللہ شریف کا اعلان یہ ہے کہ انسان کو وہ مرتبہ عطا ہوا جو کائنات میں کسی کو عطا نہیں ہوا۔

اُس کو خدا کی معرفت اور خدا شناسی کا وہ جوہر عطا فرمایا گیا جس نے اُس کو ساری کائنات پر سربلند کر دیا۔ اس جوہر نے انسانی برادری کو انبیاء علیہم السّلام کی برکتوں سے مشرف فرمایا۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا شاہ دوجہاں اُس کو نصیب ہوا جو محبوب رب العالمین ہے۔ جو نہ صرف انسانوں بلکہ کائناتِ عالم کے لئے باعث فخر ہے۔ جس کے کمالات پر نہ صرف جن و انس کو ناز ہے بلکہ ملائکہ مقربین اور کارپردازان قضا و قدر بھی اُس کی نورانیت کے خوشہ چیں[1] ہیں۔

بہرحال اسی قسم کی خصوصیات ہیں جن کی بناء پر انسان کو خلافت و نیابت کا عظیم الشان مرتبہ عطا فرمایا گیا۔

پس اگر یہ درست ہے کہ انسان حیوان ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ انسان اور دوسرے حیوانوں میں وہی فرق ہے جو یاقوت و زمرد اور سنگِ سُرخ کے ریزوں میں ہوا کرتا ہے۔ بیشک پتھر سب ہی

---

[1] کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اوّل ما خلق اللہ نوری

ہیں، مگر یاقوت و زمرد کو وہ جوہر عطا کیا گیا ہے کہ ان کو پتھر کہنا بھی توہین سمجھا جاتا ہے۔

انسان کی اس عظمت کو کس نے ظاہر کیا؟ اسلام کی تعلیمات نے، کلام اللہ کی آیات نے۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس حقیقت کی تصدیق کریں اور اس عظیم الشان مخلوق کی عظمت کو پہچان کر اس کے فرائض معلوم کریں اور اُن کے انجام دینے میں اپنی زندگی صرف کردیں تاکہ ہماری زندگی باکار ہو اور جو عظمت ہمیں عطا ہوئی ہے اُس کو ہمیشہ کے لئے باقی رکھ سکیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوسرا مقالہ

انسان کے فرائض و اختیارات، عمل اور پاداش عمل

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

محترم بزرگو! یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک یعنی قرآن حکیم نے انسان کو ایک مخلوق مانتے ہوئے جس طرح اُس کی عظمت کا اظہار کیا ہے کوئی مذہب یا کوئی فلسفہ اس طرح اس کی عظمت کا اعلان نہیں کرسکا۔

سورۂ "تین" میں اللہ تعالیٰ نے چند قسموں کے بعد بڑے وثوق اور پختگی سے اعلان فرمایا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ — بیشک بنایا ہم نے آدمی کو اچھے سے اچھے انداز پر

سورۂ بنی اسرائیل میں بہت تفصیل سے فرمایا گیا ہے۔

"ہم نے عزت دی آدم (علیہ السلام) کی اولاد کو اور سواری دی

اُن کو جنگل اور دریا میں اور روزی اُن کو ستھری چیزوں سے
اور اپنی مخلوقات میں سے بہت پر اُنکو فضیلت دیکر بڑھایا"
اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ بار بار ارشاد ہوا
"ہم نے انسان کو خلافت عطا فرمائی اور فرشتوں کو حکم
دیا کہ اُس کے سامنے سر نیاز خم کریں۔
اب سوال یہ ہے کہ یہ تمام بُرائیاں اور عظمتیں جو انسان کو عطا
فرمائی گئی ہیں تو کیوں؟ اور ان عظمتوں کے بعد انسان کے فرائض کیا
ہیں اور کائنات عالم پر اُس کو کیا اختیارات حاصل ہیں۔
محترم بزرگو! خود قرآن حکیم نے بتا دیا کہ انسان کو یہ عظمت
اس لئے عطا ہوئی کہ اس کو علم۔ معرفت اور خدا شناسی کا جوہر عطا
کیا گیا ہے۔
بیشک مادیات کے گھنے جنگل میں اس کو چھوڑا گیا ہے۔ مادی
ضروریات کے خاردار جھاڑوں میں اس کی زندگی کا دامن اُلجھا دیا
گیا ہے اور سمندر کی موجوں کی طرح خواہشات نفسانی کے طوفان
اس کو سب طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ لیکن ان تمام آفتوں کے
باوجود علم و معرفت کا وہ نور اس کو عطا فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ کمر ہمت
کس لے اور اس نور سے کام لے تو وہ ان تمام مادی دلدلوں سے

بلند ہو کر اتنی بلند پرواز کر سکتا ہے کہ فرشتے تھک جائیں اور اُس کی پرواز ختم نہ ہو۔

بہرحال یہ تو معلوم ہوا کہ انسان کے شرف و عظمت کا اصلی سبب علم و معرفت ہے جس کی صلاحیت اللہ تعالے نے اپنے فضل و کرم سے اس کو عطا فرمائی ہے۔ پس اس بلند رتبہ۔ اشرف المخلوقات کا سب سے پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ صحیح علم حاصل کرے۔ یعنی اپنے خالق کو پہچانے اور اُس کے متعلق وہی عقیدے رکھے جو خالق ذوالجلال کی شان کے شایاں ہوں۔ ایک طرف وہ رب ذوالجلال کی عظمت کا اعتراف کرے تو دوسری جانب اپنی عاجزی بندگی، اور اس بات کا صحیح احساس رکھے کہ وہ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہے۔ اور ہر آن اور ہر لمحہ اپنے خالق کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔

(۲) جب کہ واضح کر دیا گیا کہ انسان اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے تو نائب کا پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے آقا کو پہچانے۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کے طریقے معلوم کرے اور ساری عمر اپنی تمام صلاحیتیں اُس کی فرمانبرداری اور اطاعت گذاری میں صرف کرتا رہے۔

(۳) خلیفہ اور نائب ذمہ دار ہوتا ہے وہ اپنے ہر فعل کا جوابدہ ہوتا ہے۔ اُس کے کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ اُس کی کچھ ذمہ داریاں ہوتی

ہیں۔ لہذا قدرتی بات ہے کہ انسان جانوروں کی طرح بے مہار نہیں، بلکہ وہ پابند و مکلّف ہے۔ اپنے ہر فعل کا ذمہ دار اور اپنے ہر ایک عمل کا جواب دہ ہے۔ پس اس کا فرض ہے کہ خود اپنے ہر ایک عمل کا نگراں بنے اور اپنی ذمہ داری کے احساس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو۔

(۴) نائب اور خلیفہ کی سب سے بڑی غداری اور سب سے زیادہ ناقابل معافی جرم یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کے کسی حریف سے ساز باز کرے وہ اطاعت و فرمانبرداری اور وہ نیازمندی اور انکساری جو آقا کے لئے ہونی چاہیے اُس کے کچھ شگوفے اس حریف کی خدمت میں پیش کرنے لگے اسلام کی اصطلاح میں اُس کا نام شرک ہے۔ جو حرام ہے اور جس کا عذاب دائمی اور ابدی ہے۔

(۵) حماقت آمیز غداری یہ ہے کہ جس کی کچھ حقیقت نہ ہو اُس کو اپنے آقا کا حریف یا شریک سمجھ لے اور اُس کے سامنے بھی گردن اطاعت خم کرنے لگے۔ دیوی۔ دیوتا۔ یا جن اور فرشتے اللہ رب العزت کے سامنے قطعاً بے حقیقت ہیں۔ پس اُن کی پوجا حماقت آمیز غداری ہے۔

(۶) جب کہ نائب اور خلیفہ عظمت اور بڑائی کا درجہ رکھتا ہے

تو ظاہر ہے کہ انسان کا درجہ کائنات میں سب سے بلند ہے کیونکہ وہ خالق کائنات کا خلیفہ ہے پس کسی بھی مخلوق کی عبادت کے لئے کمر ٹیڑھی کرنا، صرف غداری ہی نہیں بلکہ حماقت اور خود اپنے اوپر بہت بڑا ظلم ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُس کے سامنے ذلیل کر رہا ہے۔ جس کا درجہ اُس سے بہت کم ہے اور جو فطری طور پر اُس سے ذلیل و کمتر ہے۔

غور فرمایئے اُس گورنر سے زیادہ احمق اور غدّار کون ہو سکتا ہے جو خود اپنے چپراسی کو آقا سمجھنے لگے اور اُس کے لئے وہی وفاداری پیش کرنے لگے جو شاہنشاہ کے لئے مخصوص ہے۔

نائب بنانے کا مقصد

(۷) انسان نائب اس لئے بنایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰے کی خاص صفات۔ مثلاً رحم، پرورش۔ سچائی۔ انصاف۔ احسان وسخاوت وغیرہ کا آئینہ بن کر دنیا میں اُن کو پھیلائے۔ بس ضروری ہے کہ

وہ ساری مخلوق کے حق میں رحیم اور مہربان ہو۔

ہر ایک پس ماندہ اور پچھڑے ہوئے کا مربی بن کر اُس کو آگے بڑھائے اور اس کی اصلاح و ترقی کی کوشش کرے۔

مظلوموں اور کمزوروں کا ہمدرد ہو۔ اس کی ہر ایک بات اور اس کے ہر ایک کام میں سچائی ہو۔ ہر موقع پر انصاف سے کام لے۔

خطاکاروں سے درگذر کرے۔ گنہگاروں کو گناہوں سے باز رکھے۔

(۸) وہ ہر موقع پر پاکی۔ پاکبازی۔ شرافت۔ عدل واحسان سے کام لے۔ بُرائیوں اور عیبوں سے پاک رہے کیونکہ وہ جس کا نائب ہے وہ ہر ایک عیب سے پاک ہے اور ہر ایک اعلیٰ اور پاک وصف میں زیادہ سے زیادہ باکمال ہے۔

اختیارات

(۹) جب وہ اللہ کا نائب ہے تو دنیا کی ہر ایک چیز پر اُس کا حق ہے۔ وہ چاہے تو زمین کا جگر چاک کرکے اُس کے اندر سے تانبہ۔ سیسہ۔ کوئلے اور سونے چاندی کے خزانے نکالے۔ زمین کی انتڑیوں کا آپریشن کرکے اُن میں سے تیل اور پٹرول برآمد کرے۔

اس کو حق ہے کہ سطح سمندر پر ہزاروں ٹن وزنی جہاز تیرائے سمندر کی گہرائی میں سینکڑوں من وزنی تارپیڈو دوڑائے اور تہ میں غوطہ لگاکر قیمتی موتی برآمد کرلے۔

اس کو حق ہے کہ آسمان پر اُڑے۔ سطح ہوا پر ہوائی جہازوں کے تخت بچھاکر مہینوں کی مسافت گھنٹوں اور منٹوں میں طے کرلے۔ آفتاب کی کرنوں کو سمیٹے۔ ہواؤں کو اپنے قبضہ میں لائے۔ بجلی کی پوشیدہ طاقتوں سے جتنا چاہے کام لے۔ اگر چاہے تو تاروں تک

پرواز کرے اور اُن کے خزانے اپنے تصرف میں لائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نائب بنا کر یہ سب چیزیں اُس کے لئے مسخر کر دی ہیں۔

ایک لازمی نتیجہ

(۱۰) جبکہ تمام انسان اللہ کے خلیفہ یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کی پشت سے ہیں۔ بس قدرتی طور پر ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کالے ہوں یا گورے۔ عربی ہوں یا عجمی۔ اس بھائی چارہ میں سب شریک ہیں۔ پس نہ کسی سے چھوت چھات درست ہو سکتی ہے اور نہ ایک دوسرے کی پوجا جائز ہو سکتی ہے۔ یہ وہ انسانی اخوت ہے جس کی تعلیم قرآن پاک میں اس طرح دی گئی ہے:۔

اے انسانو۔ ہم نے تم کو پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تمہارے قبیلے اور خاندان اس لئے بنائے کہ آپس میں پہچان سکو۔ (سورہ حجرات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے

یعنی چھوت چھات بھی ناجائز ہے۔ نسل یا خاندان پر غرور و نخوت بھی حرام ہے اور نسل یا خاندان کی بنار پر اپنے آپکو ذلیل سمجھنا بھی کفران نعمت ہے۔ یہ ہیں انسان کے فرائض، ذمہ داریاں یا انسانیت کے تقاضے

اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق بخشے۔ آمین

عمل اور پاداش[۱] عمل یعنی جزا و سزا

بزرگانِ محترم! اللہ تعالےٰ نے جب انسان کو خلیفہ بنایا تو اُس کے ہر ایک فعل کا ایسا انداز مقرر کر دیا کہ قدرتی طور پر اُس کا محاسبہ ہوتا رہے۔ یعنی جو بھی فعل و عمل ہو، خواہ ہاتھ پاؤں سے ہو۔ یا آنکھ کان یا زبان سے۔ اُس کا ایک اثر مقرر کر دیا۔ پس جس طرح تخم۔ برگ و بار رکھتا ہے، انسان کا ہر ایک فعل پھل رکھتا ہے۔

جو فعل شانِ خلافت کے مناسب اور اُس کے تقاضے کے مطابق ہے اُس کا پھل۔ روحانی ترقی۔ اللہ تعالےٰ کا قرب اور ابدی راحت و آرام ہے۔ اور جو فعل شانِ خلافت کے برخلاف ہے اور مرتبہ خلافت کے لئے غیر موزوں ہے اُس کا پھل روحانی پستی، اللہ تعالےٰ سے بُعد اور دوری۔ اور راحت و آرام کے بجائے ابدی رنج و الم اور عذاب و تکلیف ہے

جس طرح اچھے تخم کا پھل اچھا۔ بُرے تخم کا پھل بُرا ہوتا ہے اسی طرح اچھے عمل کا اثر اچھا اور بُرے عمل کا اثر بُرا ہوتا ہے۔ مشہور ہے۔

---

[۱] پاداش۔ بدلہ

گندم از گندم بروید جو ز جو ❖ از مکافات عمل غافل مشو

پس ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ نیک و بد۔ بھلائی اور بُرائی کو پہچانے۔ نیکیوں پر عمل کرے۔ بُرائیوں سے اپنا دامن بچائے۔ تاکہ وہ بلند مرتبہ جو خلیفہ کے لئے موزوں ہے آخرت میں اُس کو حاصل کر سکے۔ اور ایسا نہ ہو کہ جس کو یہاں عزت حاصل ہو وہاں ذلت و رسوائی اُس کے حصہ میں آئے۔

محترم بزرگو! بیشک اللہ تعالےٰ کی رحمت عامہ نے جزاء اور سزا کے قانون میں بھی کمزور اور عاجز بندوں کی مدد فرمائی ہے۔ چنانچہ اعلان فرمادیا۔

" بُرائی کا عذاب صرف اُسی کی برابر ہے لیکن نیکی کا ثواب دس گنا
مثلاً کسی کا ایک پیسہ چھینا تو اُس کا عذاب اتنا ہی ہوگا۔ لیکن اگر
کسی کو ایک پیسہ دیا تو دس پیسے دینے کا ثواب ملیگا۔

یہ ہے اللہ تعالےٰ کا لطف و کرم۔

دوسرا احسان یہ ہے کہ گناہ پر فوراً گرفت نہیں ہوتی بلکہ تلافی کے لئے بہت کچھ مہلت دی جاتی ہے۔ انتہا یہ کہ کفر و شرک جو سب سے بڑے گناہ ہیں جن کی تلافی توبہ کے سوا کسی بھی نیکی سے نہیں ہو سکتی؛ اُن پر بھی فوراً گرفت نہیں کیجاتی بلکہ زندگی بھر موقع دیا جاتا ہے کہ جب بھی اپنی غلط کاری سے باز آجائے آخرت کے راحت و آرام کا مستحق ہو سکتا ہے۔ غور فرمایئے اللہ تعالےٰ نے کلام پاک میں کس قدر مہربانی اور شفقت سے ارشاد فرمایا ہے

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ آپ اعلان فرما دیجئے اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے اوپر طرح طرح کے گناہ کر کے زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ بیشک اللہ تعالےٰ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ بہت بڑا مہربان (سورہ زمر ع ۶)

یہ ہے اللہ تعالےٰ کی وہ مہربانی اور شفقت جس کے متعلق ارشاد ہے:۔

اِن رحمتی وسعت کل شیٔ. یعنی میری مہربانی ہر چیز کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازے آمین۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

تیسرا مقالہ

انسان کا انجام

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

بزرگان ملت اور برادران عزیز! آج کی اس مبارک مجلس میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے انجام پر غور کریں۔ یعنی انصاف اور اصول پسندی کی شمع لیکر اس پر روشنی ڈالیں کہ ہمارے افعال و اعمال کی کیا حیثیت ہونی چاہیئے اور اُن کے نتیجے کیا ہونے چاہئیں۔

محترم حضرات! انسان کی یہ تعظیم و تکریم کہ اس کو اللہ کا خلیفہ مانا اور انسانیت کا یہ احترام کہ اس کو اللہ رب العالمین و ارحم الراحمین کی نیابت و خلافت قرار دیا بلا شبہ اسلام کی خصوصیت ہے لیکن یہ بات کہ انسانیت ایک قسم کی ذمہ داری ہے اور ہر ایک انسان اپنے قول و فعل کا ذمہ دار ہے۔ اس کو ہر انسان تسلیم کرتا ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھے۔ انتہا یہ کہ جو لوگ سرے سے مذہب ہی کو نہیں مانتے وہ بھی انسان کی ذمہ داری کو تسلیم کرتے ہیں، اسی بنا پر اس کو ثواب و عذاب کا مستحق مانا جاتا ہے اور اسی بنا پر جرم و سزا کے قانون بنائے جاتے ہیں۔

ایک گورنر خواہ کتنا ہی خود مختار ہو مگر شاہی سی آئی ڈی اُس کے ساتھ ہر وقت رہتی ہی تاکہ اُس کے ہر ایک کام کی نگرانی رکھے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیفہ انسان پر خصوصی سی آئی ڈی مقرر فرمائی یعنی مخصوص فرشتے جن کو کراماً کاتبین[1] کہا جاتا ہی۔ جو ہر چھوٹے بڑے۔ ہر ظاہر و پوشیدہ اور ہر اچھے بُرے کام کو لکھتے رہتے ہیں اور اس طرح وہ بہی کھاتہ تیار ہوتا ہی جس کو اعمالنامہ۔ یا نامۂ اعمال کہتے ہیں۔

محترم احباب و اکابر! مرنا برحق ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا لیکن ہر ایک مذہب تسلیم کرتا ہی کہ موت سے انسان ختم نہیں ہوتا بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہی۔ ثواب و عذاب۔ جزا و سزا ہر مذہب مانتا ہے البتہ اس میں اختلاف ہی کہ ثواب یا عذاب کی صورت کیا ہوگی۔ اس وقت اور مذہبوں سے بحث نہیں اسوقت صرف اسلام کی تعلیم پیش کیجا رہی ہی

ع من بندہ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

عزیزانِ ملت! اسلام کی سیدھی سادی واضح اور صاف سمجھ میں آنے والی تعلیم یہ ہے:۔

ذمہ دار انسان کا کوئی بھی قول یا فعل رائیگاں نہیں ہوگا ذرہ ذرہ بھر نیکی اور بدی سامنے آئے گی اور جیسا بوئے گا اس کا ویسا ہی پھل پائے گا۔

---

[1] کرام کریم کی جمع ہی۔ شریف اور مستحق احترام اور کاتبین جمع کاتب کی۔ محرر اور لکھنے والا۔ اصل لفظ ہے کاتبین کرام یعنی مستحق احترام محرر۔ مگر عام بول چال میں اسی طرح بولا جاتا ہی یعنی کراماً کاتبین۔ یہی مشہور ہے

اچھے اور بُرے کام کے کچھ نتیجے وہ ہیں جو اسی زندگی میں سامنے آجاتے ہیں اور

بہت سے وہ ہیں جو دوسرے عالم کے لئے محفوظ رہتے ہیں

ایک نیکی کو دوسری نیکی سے۔ ایسے ہی ایک بدی کو دوسری بدی سے تقویت

پہونچتی ہے اور اس طرح اُن کے اثرات بھی بڑھتے اور نشو و نما پاتے رہتے ہیں اور یہ بھی

ہوتا ہے کہ نیکیوں کی ترقی بدی کو محو کردے اور اس کے برعکس گناہ کی تاریکی نیکی کے نور کو

بھی مدہم کر دیتی ہے اور کبھی بالکل مٹا ڈالتی ہے اس کا پورا حساب و کتاب نامۂ اعمال

میں درج رہتا ہے۔

جہاں نشو و نما کا یہ عمل ہوتا ہے وہ دوسرا عالم ہے جہاں انسان کو مرنے کے

بعد منتقل ہوتا ہے۔

انسان کی موجودہ زندگی حجاب ہے جیسے ہی یہ پردہ اٹھتا ہے عالم آخرت کی

جھلکیاں سامنے آنے لگتی ہیں۔

اچھے بُرے کا پورا بدلہ۔ اور اعمالنامہ کا پورا حساب قیامت کو ہوگا۔ یعنی

مرنے کے بعد فوراً نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسان کے کچھ اچھے بُرے کام ایسے بھی ہوتے

ہیں جن کے اثرات مرنے کے بعد بھی چلتے رہتے ہیں اور اس کے اعمالنامے میں

درج ہوتے ہیں۔ لہذا جب یہ کھاتا بالکل بند ہو جائے گا اُس کے بعد ہی پورا

حساب ہو سکے گا۔ البتہ مرنے کے وقت تک جو کچھ اعمال تھے اور اُن کی بنا پر جو ٹھکانا

عالم آخرت میں ہونے والا ہے اُس کے اثرات مرنے کے بعد فوراً شروع ہو جاتے ہیں۔

یہ دُنیا ختم ہو گی ۔ اس کے ساتھ انسان اور انسانی زندگی بھی ختم ہو جائیگی اور پھر وہ زندگی آئے گی جس کو آخرت کی زندگی کہا جاتا ہے جو ابدی ہوگی اور جس میں ہر ایک انسان کو وہ ٹھکانا ملیگا جس کا وہ حساب کتاب کے بعد مستحق مانا جائیگا

حساب کتاب کے دن کا عربی نام "یوم الدین" ہے ۔ اس روز میزان عمل قائم ہو گی اور کانٹے کی تول نیک و بد کا حساب ہو گا جس کی نیکیوں کا وزن بڑھا ہوا ہوگا اس کو پسندیدہ زندگی نصیب ہوگی جنّت اُس کا ٹھکانا ہو گا جہاں وہ نعمتیں ہونگی کہ آج ہمارے تصور کی پرواز بھی اُن تک نہیں پہنچ سکتی ۔ جہاں ہر وہ چیز میسّر ہو گی جسکو اس کا دل چاہے ۔ سب سے بڑی نعمت رب العالمین کی رضا ۔ اس کا تقرب اور اس کا دیدار ہو گا جس سے بڑھ کر کسی اللہ والے کے لئے اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی ۔ جنت کی نعمتیں حسب مراتب ہونگی ۔ مگر رشک وحسد فخر و غرور کا وہاں نام و نشان نہ ہو گا ۔ لہذا نہ کوئی بڑے درجہ والا کسی کمتر کو حقیر سمجھے گا نہ کسی کمتر کے دل میں کسی برتر کے متعلق رشک وحسد کی چبھن ہو گی ۔ وہ سب بھائی بھائی ہونگے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق راحت وآرام کی مسندوں پر آرام فرما ہونگے ۔

ان کے برعکس جن کی برائیوں کا وزن بڑھا ہوا ہو گا وہ ایسی زندگی میں مبتلا ہونگے جو موت سے بھی بدتر ہو گی ۔ وہ ہر لمحہ اس زندگی سے گھبرا کر موت کی تمنا کریں گے مگر موت کو خود موت آچکی ہو گی یعنی مرنے کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہو گا ۔ اُن کے لئے نار جہنم ہو گی اور جہنم کے وہ دردناک عذاب ہونگے جن سے ہمارا تصور بھی لرزتا ہے ۔

مثال کے طور پر دہکتی ہوئی آگ کے پہاڑ جن کے شعلے بڑی بڑی چٹانوں سے بھی بڑے۔ دہکتے ہوئے لوہے کی سیکڑوں من وزنی زنجیریں گرداگرد اژدھا۔ سانپ اور بچھو۔ پانی کا نام و نشان تک ندارد۔ البتہ راد پیپ کی گندی نالیاں اور نالے سب طرف بہتے ہوئے جن کی سڑ ہیند سے دماغ پھٹ جائیں۔ نگرانی کے لئے ایسے فرشتے جو اپنی ڈیوٹی کے چست۔ مزاج کے کڑوے۔ زبان کے روکھے۔ نہ آنکھ میں لحاظ نہ دل میں پسیج۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہوگی کہ اللہ کی رحمت سے دوری ہوگی۔ فریاد بھی کرینگے تو مدتوں بعد اُس کی سنائی ہوگی (معاذ اللہ)

کچھ وہ ہونگے جو اس دنیا سے اپنا ایمان سالم لے گئے۔ نیت ہمیشہ بخیر رہی۔ اللہ کے پاک بندوں سے زندگی بھر تعلق رہا۔ مگر اعمال میں کچھ کوتاہی رہی۔ نبی اور رسول (علیہم السلام) اور اللہ تعالے کے مقرب بندے اُن کی سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ سفارش قبول فرمائیگا اور اُن کی کوتاہیاں نظر انداز فرما کر جنت کا کوئی درجہ اُن کو بخشدیگا (بشرطیکہ بندوں کے حقوق اُن پر باقی نہ ہوں)۔

دوزخ میں جانے والے ایسے بھی ہونگے جنکے گناہ ابدی عذاب کے مستحق نہیں ہونگے وہ خاص مدت تک گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت کے کسی درجہ میں جو اُنکے حسب حال ہوگا پہنچا دیئے جائینگے

کچھ وہ ہونگے جنکے دلوں پر ایمان کا بہت ہی ہلکا سا نقطہ باقی رہ گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اُنکو بھی اپنی خصوصی مغفرت سے نواز کر آتش دوزخ سے نجات بخشے گا۔

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(ختم شد طریقہ تقریر حصہ دوم)

طریقۂ تعلیم اور مسئلۂ تعلیم

اس دورِ پُرآشوب میں کہ بچوں کیلئے سرکاری
تعلیم لازمی کردی گئی ہے، دینی تعلیم نہ کورس میں داخل ہے
اور نہ سرکاری اسکولوں میں مذہبی اور دینی تعلیم کا کوئی
انتظام ہے۔ بچوں کو اگر دینی تعلیم دی جاسکتی ہے تو صرف
صبح شام کے تھوڑے وقت میں۔ مگر بچے فطری اور قدرتی
طور پر کھیل کے حریص ہوتے ہیں اور اسکول میں جانے والے
بچوں کو صبح یا شام کا ہی وقت کھیل کود کے لئے ملتا ہے، اس
وقت اُن کو پڑھانا بہت مشکل ہوتا ہے اور ماں باپ کا بھی دل برا
ہوتا ہے کہ وہ اپنے ننھے منے نونہال کو کھیل سے منع کرکے پڑھنے پر
مجبور کریں۔ پس کیا صورت ہو سکتی ہے کہ بچوں کو دینی تعلیم سے دلچسپی پیدا ہو
وہ کھیل کود کے وقت کو اپنی خوشی سے دینی تعلیم میں صرف کرسکیں اور دیندار
بن سکیں۔ یہ تمام باتیں اس کتاب میں سمجھا دی گئی ہیں۔ یہ کتاب اُستادوں
کی رہنما ہے اور اُن کے لئے ٹریننگ کا کام دیتی ہے۔

اس کتاب میں طریقۂ تعلیم کے علاوہ مسئلۂ تعلیم سے متعلق اور
بھی ایسے ضروری مضامین جمع کردیئے گئے ہیں جن کا مطالعہ
ہر ایک ہمدردِ ملت کے لئے ضروری ہے۔ ہماری بہنیں
اور مائیں جن کی آغوشِ تربیت میں بچے دیندار بن سکتے ہیں
اُن کیلئے بھی اِس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے
اِس کتاب میں اُن کو بھی مفید مشورے دیئے گئے ہیں۔

قیمت۔ ایک روپیہ آٹھ آنے (۱/۵۰)
علاوہ محصول ڈاک

منیجر الجمعیۃ بک ڈپو
قاسم جان اسٹریٹ دہلی۔۶

Only Title Printed at Jaipur Art Press Delhi-6